پروفیسر محمد سعید شیخ
مترجم:- نیاز عرفان

فلسفہ اور مذہب میں تطبیق ابنِ رشد کی نظر میں

ابوالولید محمد بن احمد ابن محمدؒ ابن رشد المعروف بہ ابنِ رشد قرونِ وسطیٰ میں مغرب کے عالمِ اسلامی کا سب سے بڑا فلسفی تھا۔ ڈانٹے اپنی منظوم تصنیف "طربیہ الٰہیہ" (DIVINE COMEDY) میں ابن رشد کو شارح کا خطاب دیتا ہے۔ کیونکہ ڈانٹے کے زمانے میں ابنِ رشد کو ارسطو کا عظیم ترین شارح مانا جاتا تھا۔ اس نے طبیب اور ہیئت دان کی حیثیت سے بھی شہرت حاصل کی۔ مگر ان میدانوں میں وہ اتنا کمال حاصل نہ کر سکا، جتنا اس نے فلسفے کے میدان میں حاصل کیا۔

ابن رشد اس عروج و کمال کا مظہر ہے جو مسلمانوں نے فلسفے کے ایک خاص شعبے میں حاصل کیا۔ یعنی ارسطو کو سمجھنے میں، کندی سے لے کر ابنِ رشد تک تمام مسلمان فلسفیوں نے ارسطو کے نظامِ فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کی۔ مگر اکثر مسلمان فلسفی اس کوشش میں اس لیے کامیاب نہ ہو سکے کہ بدقسمتی سے وہ ارسطو کی طرف منسوب موضوعی یا منحول تصنیفات کے پیچھے پڑ گئے اور اکثر نے تو فلاطونیوں کی تحریروں کو ارسطو کی تحریریں سمجھا۔ ابن رشد کے زمانے تک ارسطو کی بہت سی تحریریں عربی میں دست یاب ہو چکی تھیں اور اس کی طرف غلط طور سے منسوب تحریروں کے چہرے سے نقاب اٹھ گیا تھا، چنانچہ ابنِ سینا اور ابن رشد میں یہ بنیادی فرق تھا کہ ابنِ رشد ارسطو کے بارے میں زیادہ مکمل واقفیت رکھتا تھا۔

ابنِ رشد کی نظر میں ارسطو ایک دور رس نگاہ رکھنے والا مفکر تھا اور مختلف ادوار فلسفہ کا عظیم ترین حکیم اور ایک ایسا درویشِ دانشمند تھا جو اصل حقیقت کی تلاش میں بے قرار رہتا تھا۔ سائنس اور فلسفے کے میدان میں جو نئی نئی دریافتیں ہوتی رہیں ان سے اس فکری نظام میں کسی تبدیلی کی ضرورت پیش نہ آئی جو ارسطو نے قائم کیا تھا۔ ممکن ہے بعض مواقع پر ارسطو کے افکار کو غلط سمجھا گیا ہو، مگر جب بھی صحیح سمجھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ فکرِ انسانی کی معراج کو پہنچ گیا تھا۔ یہ ایک دلچسپ امر ہے کہ ہمارے

زمانے میں بھی امریکی فلسفی سنتیانا (SANTAYANA) نے ارسطو کے بارے میں اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ابن رشد ارسطو کی منطق کا سرگرم مداح تھا۔ وہ لکھتا ہے "اس منطق کے بغیر کوئی شخص مسرت حاصل نہیں کرسکتا، اور یہ افسوس کا مقام ہے کہ سقراط اور افلاطون اس سے واقف نہ تھے"۔ ابن رشد کو ارسطو سے اس قدر گہرے لگاؤ کی بنا پر تکالیف بھی اٹھانا پڑیں۔ قدیم نظریات کے حامل علما نے اس پر سخت حملے کیے اور الزام لگایا کہ وہ ارسطو اور اسلام کو یک جا کر رہا ہے۔ اہل شریعت علما یہ محسوس کرنے لگے کہ ابن رشد نے اسلامی عقائد کو ارسطو کے فلسفے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں اسلام کی تحقیر کی ہے۔ ابن رشد کی مخالفت اتنی شدید ہوگئی کہ اس پر کفر کے فتوے صادر ہوگئے۔

ابن رشد کے بنیادی اور اہم نظریات جن کی بنا پر بعد میں اس پر کفر کا الزام لگایا گیا، کائنات کی ازلیت، خدا کے علم کی ماہیت، انسانی نفس کی لافانیت اور اس کے حیات بعد الموت کے بارے میں تھے۔ نظر بظاہر تو ابن رشد ان نظریات میں ممکن ہے ملحد دکھائی دیتا ہو۔ مگر غور کرنے سے ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ابن رشد اسلامی عقائد کا منکر نہیں تھا۔ اس نے تو ان عقائد کی تشریح و توضیح اپنے خاص انداز میں کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ یہ فلسفے سے ہم آہنگ ہو جائیں۔

جہاں تک دنیا کی ازلیت کے نظریے کا تعلق ہے، ابن رشد تخلیق کے اصول کا منکر نہیں بلکہ صرف اس کی ایسی توضیح پیش کرتا ہے جو اہل مذہب کی پیش کردہ توضیح سے مختلف ہے۔ ابن رشد یہ بھی کہتا ہے کہ دنیا ازلی ہے لیکن ساتھ ہی بڑے شد و مد سے خدا کی ازلیت اور دنیا کی ازلیت میں امتیاز کرتا ہے وہ ازلیت کی دو قسمیں بیان کرتا ہے ایک ازلیت بہ علت ہے اور دوسری ازلیت بلا علت ہے دنیا اس لیے ازلی ہے کہ اس پر ہر وقت ایک تخلیقی اور متحرک عامل عمل کرتا رہتا ہے۔ گویا دنیا کی ازلیت بہ علت ہے۔ لیکن خدا اپنی ازلیت بلا کسی علت کے رکھتا ہے۔ خدا کو دنیا پر تقدم حاصل ہے مگر یہ تقدم زمانی نہیں کیونکہ خدا کے وجود میں زمان کو دخل نہیں لہٰذا دنیا پر خدا کا تقدم اس لیے ہے کہ خدا ازل سے دنیا کی علت ہے۔

ابن رشد اس بات کا قائل نہیں کہ دنیا کی عدم سے بس ایک ہی دفعہ اور آخری دفعہ تخلیق ہو چکی ہے۔ وہ تو ایسی تخلیق کا قائل ہے جو لمحہ بہ لمحہ ہوتی رہتی ہے جو دنیا کو حرکت میں رکھتی ہے اور اس کو قائم رکھتی ہے۔ اس قسم کے نظریے کو نظریہ ارتقا خصوصاً برگساں

کے نظریۂ ارتقا کے ساتھ منطبق کرنا آسان ہے۔ اگرچہ ابن رشد یہ کہتا ہے مخلوق نہیں بلکہ تخلیقی قوت ارتقا پذیر ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے۔

جہاں تک خدا کے علم کی نوعیت کا تعلق ہے، وہ دوسرے مسلمان فلسفیوں کے اس فلسفے سے متفق معلوم ہوتا ہے کہ خدا صرف اپنی ہستی کا علم رکھتا ہے۔ فلسفی خدا کے علم کی یہ نوعیت اس لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اسی نظریے کے ساتھ خدا کی وحدانیت کو قائم رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر خدا کو کثرت کا علم حاصل ہو تو یہ فرض کرنا پڑتا ہے کہ خود اس کی ہستی میں کثرت پائی جاتی ہے۔ اس نظریے کی رو سے خدا صرف اپنی ہستی ہی میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے، اور صرف اپنی ہی ہستی کا علم رکھتا ہے اور اپنے علاوہ کسی اور شے کا علم نہیں رکھتا اس طرح خدا کا عالم مطلق ہونا مشکوک ہو جاتا ہے۔ ایک لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلسفیوں کا یہ نظریہ اپنی اصل شکل میں نہیں بلکہ مسخ شدہ شکل میں ہے۔ اسے اہل مذہب نے بگاڑ کر پیش کیا ہے تاکہ فلسفی پریشانی میں مبتلا ہوں۔

تاہم ابن رشد کے نظام فلسفہ میں کافی لچک ہے۔ اس کی رو سے جب خدا کو اپنے جوہر کا علم حاصل ہے، تو اس میں کائنات کی تمام اشیا کا علم از خود شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا ہی ان تمام اشیا کا خالق ہے۔ خدا کا علم انسان کے علم جیسا نہیں۔ یہ ایک اعلیٰ قسم کا علم ہے۔ انسان اس کا کوئی تصور ہی نہیں کر سکتا۔ خدا کا علم اور انسان کا علم ایک نہیں ہو سکتے، ورنہ انسان کو خدا کے علم میں شریک تصور کرنا پڑے گا۔ انسان کا علم تو اشیا سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن خدا کا علم اشیا سے اخذ نہیں ہوتا بلکہ چیزیں اپنا وجود خدا کے علم سے حاصل کرتی ہیں۔ خدا کے جاننے اور تخلیق کرنے کا عمل ان معنوں میں ایک ہے۔ خدا کا علم ہی وہ علت ہے جس کی بنا پر چیزیں وجود میں آتی ہیں۔ اور پھر ابن رشد خدا کے علم کو عمومی تصورات یا کلیات کے علم تک محدود نہیں کرتا۔ ابن رشد کہتا ہے کہ جہاں تک خدا کے علم کا تعلق ہے، کلیات و جزئیات میں کوئی فرق نہیں۔ کلیات اور جزئیات کا فرق صرف انسانی علم میں ہوتا ہے۔ خدا کے علم میں نہیں۔ اس لیے خدا کے علم کو نہ تو ہم کلی کہہ سکتے ہیں نہ جزئی۔ لہٰذا اہل شریعت کا یہ الزام کہ ابن رشد کا خدا کے علم کے بارے میں نظریۂ خدا کے عالم مطلق ہونے کی گنجائش نہیں چھوڑتا، صحیح نہیں، اور یہ کہ دنیا کی جزوی اشیا کا علم، خدا کو نہیں غلط ہے،

ابن رشد پر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ وہ ارواحِ انسانی کی انفرادی لافانیت کا انکار کرتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ ابن رشد اس بات کا قائل تھا کہ انسانی افراد کی ارواح موت پر روحِ کائنات (UNIVERSAL SOUL) میں مدغم ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ علامہ اقبال نے بھی اپنی کتاب "تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" میں ابن رشد پر یہی الزام لگایا ہے، مگر ہمارے خیال میں ابن رشد کے نظریے کی یہ صحیح تعبیر نہیں۔ یہ بات کہ موت پر انسانی افراد کی ارواح کائناتی روح میں مدغم ہو جاتی ہیں، دراصل عقل کے بارے میں ہے۔ یعنی دراصل ابن رشد یہ کہتا ہے کہ موت کے بعد انسانی افراد کی عقول کائناتی عقل میں مدغم ہو جاتی ہیں۔ نہ صرف ابن رشد کے فلسفے بلکہ تمام مسلمان فلسفیوں کے فلسفے کے مطالعے کے وقت ہمیں روح کو عقل سے تمیز کرنا چاہیے۔ انسان کی عقل وہ قوت ہے جس کے ذریعے وہ حواس کی مدد کے بغیر ازلی صداقتوں کا علم حاصل کرتا ہے، جن صداقتوں میں ریاضی کے بدیہیات، منطق کے اصولِ اساسی اور اقدارِ اعلےٰ شامل ہیں۔ ان کا علم عقل کو کائنات کے "اعلیٰ ذہن" یا عقلِ فعّال سے ملتا ہے۔ عقلِ فعّال ہی ان صداقتوں کا اصل منبع ہے۔ جسم میں عارضی قیام کے دوران انسانی عقل عقلِ فعّال سے فراق محسوس کرتی ہے، مگر موت کے بعد جب جسم ختم ہو جاتا ہے۔ عقل جو بذاتِ خود لافانی ہے۔ عقلِ فعّال میں مدغم ہو کر دوام حاصل کر لیتی ہے۔ اس طرح عقل کی لافانیت انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔

مگر انسانی روح کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ ابن رشد کے نزدیک روح قوتِ متحرکہ ہے جو زندگی کو قائم رکھتی ہے اور مادی جسم کی نشوونما کا سبب ہے۔ یہ ایک قسم کی ایسی توانائی (ENERGY) ہے جو مادے کو زندگی عطا کرتی ہے۔ روح عقل کی مانند انسانی جسم سے آزاد نہیں بلکہ اس کے برعکس اس سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ تاہم روح جسم سے الگ بھی ہے اور اسے ہم ایسی صورت (FORM) سمجھ سکتے ہیں جس کا مادے (MATTER) سے تعلق بھی ہے اور وہ اس سے علیحدہ بھی ہے۔ اس طرح چونکہ روح جسم سے علیحدہ ہے اس لیے موت کے بعد اس کا جسم سے الگ ہو کر موجود رہنا ممکن ہے۔ یعنی ہر فرد کی روح جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی زندہ رہ سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ابن رشد یہ بھی کہتا ہے کہ محض فلسفیانہ دلائل کی بنا پر انسانی روح کی انفرادی لافانیت کا کوئی قطعی ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔

اس بات کا ثبوت کہ ابن رشد انسانی ارواح کی لافانیت کا قائل تھا اس کے حشر الاجساد کے نظریے سے بھی ملتا ہے۔ اگر وہ انسانی روح کی لافانیت کا قائل نہ ہوتا تو پھر وہ انسانوں کے جسمانی طور پر دوبارہ زندہ ہونے کو نہ مانتا۔ مگر اہلِ شریعت نے اس کے صحیح نظریے کو نظر انداز کرتے ہوئے اس پر کفر کا الزام لگایا، جو ہمارے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ ابن رشد حیات بعد الموت اور روح کی لافانیت کے عقیدے کا منکر تو نہیں البتہ اس کی تشریح اہلِ شریعت سے مختلف کرتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد ہمارا جو جسم ہوگا وہ یہ موجودہ جسم نہ ہوگا۔ کیونکہ جو چیز ایک دفعہ ختم ہوگئی ہے وہ دوبارہ وجود میں نہیں آسکتی۔ البتہ اس سے ملتی جلتی چیز وجود میں آسکتی ہے۔ موت کے بعد جو زندگی ہوگی وہ محض دائمی طور پر قائم نہیں رہے گی بلکہ وہ موجودہ زندگی کا تسلسل ہوگی اور متواتر ترقی پذیر رہے گی، جیسے روح منزل بمنزل بڑھتی ہے۔ اسی طرح جسم بھی درجہ بدرجہ ارتقا کرتا رہے گا اور نئی نئی صفات حاصل کرتا رہے گا۔

چونکہ ابن رشد کی زندگی ہی میں اہلِ شریعت نے اس کے نظریات پر حملے کرنا شروع کر دیے تھے، اس لیے اس کی کوشش یہ تھی کہ وہ اپنے اس موقف کی حتی الوسع وضاحت کردے جو اس نے مذہب اور فلسفے کے تعلق کے بارے میں اختیار کیا۔ مذہب اور فلسفے کے رشتے کے متعلق ابن رشد نے اپنے نظریات خصوصیت کے ساتھ دو کتابوں میں پیش کیے ہیں۔

۱۔ فصل المقال فیما بین الحکمۃ والشریعۃ من الاتصال

۲۔ الکشف عن مناہج الادلۃ فی عقائد الملۃ

اس کا پہلا اصول یہ ہے کہ فلسفے کو مذہب سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ یہ عقیدہ اور تمنا تمام مسلمان فلسفی رکھتے تھے۔ ابن رشد، بیکن (BACON) کی طرح یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ اگرچہ فلسفے کے معمولی مطالعے سے تو کوئی شخص دہریت کی طرف مائل ہوسکتا ہے، مگر فلسفے کے گہرے مطالعے سے انسان مذہب کو بہتر طریقے سے سمجھنے لگتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ابن رشد نے دو صداقتوں (TWOFOLD TRUTH) کا نظریہ پیش کیا یا یوں کہیے کہ دو سچیوں کا نظریہ پیش کیا۔ ایک فلسفیانہ صداقت یا سچ، دوسری مذہبی صداقت یا سچ۔ بالآخر دونوں میں ہم آہنگی ہونا ضروری ہے۔ چونکہ پیغمبروں کو صداقت عوام تک پہنچانا ہوتی ہے، اس لیے وہ تمثیلوں، قصوں، اور

استعاروں سے کام لیتے ہیں۔ اس کے برعکس فلاسفہ اپنے مطلب کا اظہار تمثیل و استعارہ کے بجائے تجریدی طریقے سے کرتے ہیں۔ ابن رشد کے عقیدے کے مطابق مقدس کتابوں کی زبان کے لفظی معنوں اور تمثیلی معنوں میں فرق کرنا چاہیے۔ اگر قرآن حکیم کی نص میں کوئی ایسی آیت ملے جو فلسفے کے نتائج سے متصادم ہو تو ہمیں یہ خیال کرنا چاہیے کہ آیت کے کوئی ایسے معنیٰ ہوں گے جو لفظی معنیٰ سے مختلف ہیں، اور پھر ہمیں ان اصلی اور گہرے معنوں کی تلاش کرنا چاہیے۔ عوام الناس کے لیے تو یہ کافی ہے کہ وہ ظاہری یا لفظی معنوں کو لیں۔ اصلی اور گہرے معنوں کی تلاش اہلِ علم و فلسفہ کا کام ہے۔ ایک ٹھوس مثال لیجیے قرآن کی آیت کریمہ ہے "خدا آسمانوں میں ہے"۔ سادہ لوح انسان تو اس کا لفظی مطلب لیں گے اور کہیں گے کہ خدا کہیں اوپر کی فضاؤں میں ہے، مگر اہلِ علم یہ جانتے ہوئے کہ خدا کوئی جسمانی یا مکانی ہستی نہیں، اس آیت کا یہ مطلب لیں گے کہ خدا اس کائنات سے ماورا ہے۔ وہ یہ بھی کہیں گے کہ خدا ہر جگہ ہے، صرف آسمانوں ہی میں نہیں۔ لیکن اگر علما خدا کے ہر جگہ موجود ہونے کا مطلب یہ لیں گے کہ وہ مکانی طور پر جگہ گھیرنے کے معنوں میں ہر جگہ پایا جاتا ہے تو یہ بھی درست نہ ہوگا کیونکہ خدا پر مکانیت کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ ابن رشد کے نزدیک وہ فلسفی جو "خدا آسمانوں میں ہے" کا مطلب یہ لیتا ہے کہ خدا اپنے ہی اندر ہے اور کہیں نہیں تو وہ مذکورہ آیتِ کریمہ کے روحانی معنیٰ لیتا ہے اور خدا کے وجود کی بہتر تشریح کرتا ہے۔ فلسفی بجائے یہ کہنے کے کہ "خدا آسمان میں ہے" یہ کہے گا کہ "آسمان خدا میں ہے"، اس لیے "خدا مکان میں ہے" کی نسبت یہ کہنا کہ "مکان خدا میں ہے" زیادہ موزوں ہے۔

اس قسم کے بیانات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے بظاہر فلسفیانہ موشگافیاں دکھائی دیتی ہیں اور عام لوگ اس سے تردد میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور ان کو کوئی واضح رہنمائی حاصل نہیں ہوتی اس لیے فلسفیوں کو چاہیے کہ مذہبی عقائد کی فلسفیانہ تشریح و توضیح عوام تک پہنچائیں۔ درحقیقت ابن رشد یہ کہتا ہے کہ لوگوں کے سامنے مذہبی عقائد کی تشریح ان کی ذہنی سطح کے مطابق پیش کرنا چاہیے۔ ابنِ رشد انسانوں کے ان کے فہم کے مطابق تین درجے بیان کرتا ہے۔

سب سے پہلی اور کثرت رکھنے والی قسم ان لوگوں کی ہے جو مذہبی عقائد پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنے عقائد پند و وعظ کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ وہ تقریر کی لفاظی اور خطابت سے جلدی متاثر ہو جاتے ہیں۔ یہ سادہ لوح عوام الناس کی جماعت ہے۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو مذہبی عقائد کو کسی حد تک عقلی طور پر مانتے ہیں۔ مگر زیادہ تر ان کا ایمان بعض ایسے مقدمات اور عقائد پر مبنی ہوتا ہے، جن کو وہ بغیر کسی تنقید کے قبول کیے ہوتے ہیں۔ یہ اہلِ شریعت اور علمائے دین کی جماعت ہے۔ تیسری اور آخری قسم ان سب سے چھوٹی ہے۔ یہ ان لوگوں کی جماعت ہے جو مذہب کو کلی طور پر عقلی طریقے سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے عقائد کی بنیاد ایسے مقدمات پر ہوتی ہے جن کو وہ عقلی طور پر ثابت کر چکے ہوں۔ یہ فلاسفہ کی جماعت ہے، جن میں مذہب کی تفہیم اپنے عروج کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ مذہبی عقائد کو عقلی سطح کے لحاظ سے سمجھنے میں یہ درجہ بندی ظاہر کرتی ہے کہ ابنِ رشد انسانی نفسیات پر گہری نظر رکھتا ہے۔ لیکن اہلِ شریعت نے اس کے خلوص کو شک کی نظر سے دیکھا۔ ان کے خیال میں صداقت کی دو قسموں کا نظریہ، ایک عوام کے لیے دوسرا فلسفیوں کے لیے، محض دھوکا تھا۔ اس کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ عملی زندگی میں ابنِ رشد اتنا ہی پرخلوص اور نیک تھا، جتنے کہ اہلِ شریعت تھے۔ وہ ایمانداری سے یہ سمجھتا تھا کہ ایک ہی صداقت کو کئی طریقوں سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ ابنِ رشد فہم و فراست رکھنے والا انسان تھا، اور اس فہم و فراست کی بنا پر اس نے مذہب و فلسفے کو، جس کو لوگ متضاد سمجھتے تھے، ہم آہنگ کر دیا۔